Vol.4No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

اردو کی شعری اصناف میں المیہ کیفیتوں کا اظہار؛ تجزیاتی مطالعہ

محمد طارق الیاس [1]

پروفیسر ڈاکٹر نجیب جمال [2]

ABSTRACT

Tragedy has always been highly important in oriental poetics. All the great bards have dealt with every aspect of tragedy and its manner in their works because tragedy is an infinite/ never-ending stream which is continuously flowing though this universe and life herein. Temporary nature of life, inability of material objects to last forever and the ultimate apocalypse are such facts that cannot be refuted by any religion, philosophy or any other school of thought. Being connected with the collective conscience of the humans speaking Urdu, Urdu poetry is imbedded with the representation of tragedy to optimum extent. I, through this research article, will analyze the elements of tragedy in different genres (elegy, eulogy, masnavi, ballad, ruin poetry and ghazal) of Urdu poetry.

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی حزن ونشاط کے مختلف رنگوں اور صورتوں سے عبارت ہے۔انسان ابتدا سے ہی اطمینان و مسرت کا متلاشی رہا ہے اور اس کے حصول کے لیے تگ ودو بھی کرتا آیا ہے۔یہ اور بات ہے کہ غم والم انسانی زندگی کا ناگزیر حصہ ہیں اور انسان کے لیے ان سے چھٹکارہ ممکن نہیں۔ بعض مفکرین کے نزدیک زندگی کی اصل حقیقت غم والم میں پوشیدہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ چاہے اردو شاعری کا بیشتر حصہ ہو یا مغربی فکر وفلسفہ کی روایت، ہر جگہ یہ نقطہ نظر کثرت سے دیکھنے میں آتا ہے کہ انسانی زندگی غموں اور مصیبتوں کا مجموعہ ہے۔

دنیا بھر کی ادبی روایت میں اظہار غم کے لیے المیہ کی اصطلاح رائج ہے جس کا آغاز ارسطو نے کیا، جس کی یگانہ روزگار تصنیف بوطیقا[شعریات]اس کے نظریہء فن پر مشتمل ہے۔ جس میں اس نے جمالیات کو باقاعدہ علمی بحث بنایا۔ بوطیقا بنیادی طور پر دو مباحث پر مشتمل ہے۔اول اس میں فن کی نوعیت اور اہمیت پر بات کی گئی ہے ، تنقید کے اصول و ضوابط متعین کیے گئے ہیں۔ دوسرا ان اصول وضوابط کا خصوصی اطلاق فن شاعری پر کیا گیا ہے۔ارسطو المیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

---

[1] (ریسرچ سکالر پی ایچ۔ڈی،اردو)

[2](شعبہ اردو، فارمن کرسچن کالج یونی ورسٹی، لاہور)

Vol.4No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

> ٹریجڈی [المیہ] نقل ہے کسی ایسے عمل کی جو اہم اور مکمل ہو، اور ایک مناسب عظمت (طوالت) رکھتا ہو۔ جو مزین زبان میں لکھی گئی ہو جس سے حظ حاصل ہوتا ہو لیکن مختلف حصوں میں مختلف ذریعوں سے جو دردمندی اور ہیبت کے ذریعے اثر کرکے ایسے ہیجانات کی صحت اور اصلاح کرے۔ (۱)

زمانہ قدیم میں المیہ قصوں (ٹریجڈی) میں دنیا کی عظیم شخصیتوں کی زندگی پیش کی جاتی تھی۔ ان کے ناموں کے ساتھ مذہبی تقدس یا قومی زندگی کے فتح مندوں کی عظمت بھی شامل ہوتی تھی۔ یونانی ٹریجڈی کی حیثیت مثالی تھی۔ اس کے افراد قصہ فانی مگر ان کے کارنامے غیر فانی ہوتے تھے۔ یونانی المیہ میں موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔ انسانی زندگی میں واقعات اور جذبات کے وسیع سلسلے المیہ کا باعث بنتے ہیں۔ اقبال آفاقی لکھتے ہیں :۔

> یونانی المیہ کے فنی خصائص میں شامل ہے کہ اول اس میں تقدس اور متانت ہو، دوم زندگی کا بصیرت افروز نقطہ اس کا موضوع ہو۔ انسانی وجود کی کوئی دلدوز صورتحال، کوئی بنیادی اخلاقی سوال، انسانی رشتوں کی کوئی خوفناک جہت، دیوتاؤں کے سفاک فیصلے، بے وفا وقت کی فریب کاریاں، اور زمانے کی سنگلاخ دیواریں، یہ سب المیے کے موضوع قرار پائے۔ دوسری شرط یہ کہ المیہ کا مرکزی کردار متانت، وجاہت اور خیر کا پیکر ہونا چاہیے۔ شعور و عرفان سے مالامال ہو، چونکہ ہیرو ایک محض فانی انسان ہے چونکہ شکست سے دوچار ہونا اس کا مقدر ہے۔ المیہ کا اختتام اس سین پر ہوتا ہے، جس میں ہیرو یا اس کا کوئی محبوب کردار آنا فانا موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے، یا بدقسمتی اسے اندھیروں میں دھکیل دیتی ہے۔ (۲)

ارسطو کے نزدیک المیے کا مقصد تنقید یا اصلاح جذبات ہے۔ کامیاب تمثیل وہ ہے جو ان جذبات کو ابھارے اور بعد ازاں لوگ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کریں۔ المیہ ایک مستقل قدر ہے۔ کوئی دور یا کوئی معاشرہ اس سے خالی نہیں۔ المیہ میں واقعات سے دلوں پر الم اور خوف کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس سے جو جذبات ابھرتے ہیں اس میں حزن و ملال یا الم و کرب کی آمیزش ہوتی ہے۔

انسانی زندگی میں بے شمار آرزوئیں اور خواہشیں جنم لیتی ہیں۔ یہی آرزوئیں اور خواہشات جب پوری نہ ہوں تو غم کا محرک بنتی ہیں۔ یہ غم انفرادی سطح پر فرد اور اجتماعی کیفیت میں معاشرے کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اور اس سے مختلف نفسیاتی اور سماجی مسایل جنم لیتے ہیں۔ "ہر حیات انسانی لازمی طور پر حیات اجتماعی ہوتی ہے اور حیات اجتماعی ممکن نہیں تاوقت یہ کہ افراد

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کی آزادیِ افعال محدود نہ کیے جائیں اور تجدید حریت کا نام احساس الم ہے۔اس لئے بھی درد والم حیاتِ انسانی میں ناگزیر ہے۔"(۳) غم اصل میں وجدانی کیفیت ہے اور یہ وجدانی کیفیت ہر انسان میں اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور ہر انسان اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان سے متاثر ہوتا ہے۔قریبی رشتے داروں کے انتقال اور پسندیدہ چیزوں کے بچھڑنے پر جو دکھ اور حزن ہوتا ہے یہ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔عبدالماجد دریاآبادی نے الم کے دو پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ایک المِ جسمی، اور دوسرا المِ نفسی۔وہ لکھتے ہیں:"جب حیات جسمی میں اختلال واقع ہوتا ہے تو اس کا نام ہے المِ جسمی،اور جب حیات نفسی میں اختلال واقع ہوتا ہے تو اس کا نام ہے المِ نفسی۔"(٤) مسلسل ناآسودگی اور اطمینان و مسرت کا فقدان ناامیدی پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔یہاں آکر انسان کا اعتبار ہستی لرزنے لگتا ہے اور وہ اپنے ماحول سے متنفر ہو کر عزلت نشینی میں مصائب حیات کا حل تلاش کرتا ہے۔جرمنی کا مشہور فلسفی شوپنہار مسرت وانبساط کو محض عارضی کیفیت کا نام دیتا ہے۔وہ اپنے فلسفہ زندگی کے اثبات میں جو دلائل دیتا ہے۔اس کا خلاصہ یوں ہے۔"غم کے مقابلہ میں مسرت ایک وقتی اور عارضی شے ہے۔یہاں تک کہ بھوک پیاس اور کبھی نہ ختم ہونے والی دیگر انسانی خواہشات غموں سے ہی عبارت ہیں۔لہذاانسان کوایسی کرب ناک زندگی سے چھٹکارا پانے کی جہد وجہد کرنی چاہیے۔"(٥) ناکامی، ناآسودگی اگر قلب پر طاری ہو جائے تو آدمی پیکرِ غم بن جاتا ہے۔عام آدمی کے برعکس، تخلیقی شخصیت کی خواہشیں اور آرزوئیں جو نامکمل رہتی ہیں،وہ ادب،شاعری،مصوری،موسیقی،اور دیگر فنون لطیفہ کے ذریعے اپنا اظہار کرتی ہیں۔حزن کا شاعری کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔بعض مفکرین کے نزدیک حزن و یاس کے جذبات ہی کلام میں شعریت کو جنم دیتے ہیں۔شاعر اپنے سینے میں ایک گداز اور درد مند دل رکھتا ہے۔وہ درون ذات میں برپا طلاطم،دردمندی اور اپنی آگہی کے باعث کلام کو شعریت کا اعلیٰ معیار عطا کرتا ہے۔اور اس طرح

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے

درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

کی عملی تصویر بن کر سامنے آتا ہے۔مشرقی شعریات میں درد وغم کو مرکزی اہمیت حاصل رہی ہے۔اردو کے بڑے شعرا نے غم کے ہر پہلو پر خامہ فرسائی کی ہے۔زندگی کی بے ثباتی،اشیا کی ناپائیداری اور دنیا کی فناپذیری ایسی حقیقتیں ہیں جن کو دنیا کا کوئی مذہب،کوئی فلسفہ اور کوئی نظام فکر جھٹلا نہیں سکتا۔شاعروں کا المیہ احساس انہی تجربات و مشاہدات کا نتیجہ ہوتا ہے۔غالب نے کہا؛

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

شاعر نے یہ سادہ حقیقت بیان کی ہے کہ انسان موت سے پہلے دنیا کے غموں سے نہیں بچ سکتا۔شاید یہی وجہ ہے کہ مشرق کے بعض شعراغم کو عشق کا لازمی عنصر یا حاصل زندگی قرار دیتے ہیں۔ غم دوراں کو غم جاناں میں بدلنا ان کا امتیازی وصف ہے۔ان کے نزدیک غم عشق سے بھرپور زندگی ہی کامیاب وکامران زندگی ہے۔ غمِ عشق ہی انسان میں رحم ،ایثار اور ہمدردی کے جذبات ابھارتا ہے۔اسی لیے غمِ عشق ہی شاہراہ حیات کا راہ نما اور منزل مقصود تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ بیشتر شعرا نے غم کو عشق کا لازمہ بنا کر روحانی قدروں کی توسیع کی ہے۔ جس کی بنا پر ان کی شاعری میں خالص ادبی اور جمالیاتی محاسن اجاگر ہوئے ہیں۔

عبدالماجد دریا آبادی کی تصنیف فلسفہ جذبات کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔اس میں انہوں نے جذبات اور احساسات کے فلسفیانہ حوالوں سے وضاحت کی ہے۔اس کتاب کے ابتدائی ابواب مولانا ابوالکلام آزاد کے معروف مجلے الہلال کی بعض اشاعتوں میں شائع ہوئے۔ان میں دو اصطلاحوں کے اردو تراجم پر مجلے کے مدیر مولانا ابولکلام آزاد کو اعتراض ہوا اور پھر ایک طویل بحث جواب الجواب کی صورت میں جاری رہی۔بعد میں یہ مباحث نقوش کے معرکے نمبر میں شامل ہوئے۔ جس میں ایک خط کے ذریعے اکبر آلہ آبادی نے بھی حصہ لیا۔عبدالماجد دریا آبادی نے اپنی تصنیف کے ابتدائی دو یا تین باب مفرداتِ جذبات کے زیر عنوان اور حظ و کرب کے ذیلی عنوان سے شائع کرایا۔

> اس میں انہوں نے حظ کو Pleasure کے معنی میں اور کرب کو Pain کے معنی میں استعمال کیا جبکہ مولانا کو یہ اعتراض تھا کہ یہ درست متبادل نہیں اس کی جگہ لذت والم ہونا چاہیے۔ مولانا آزاد نے عربی لغت اور جدید علوم عربیہ کے مستند حوالوں سے اپنی بات کو بہت حد تک درست ثابت کیا جبکہ مولانا دریا آبادی اپنے موقف پر سختی سے قائم رہے جبکہ اکبر آلہ آباد مولانا آزاد کی تائید کرتے ہوئے لذت والم کے مقابلے راحت والم کی ترکیب بھی پیش کی لیکن ان تمام علمی دلائل سے قطع نظر بہت حد تک خط و کرب نے مقابلے میں لذت والم کی صحت پر مہر ثبت کردی۔ (٦)

مشرق کے مقابلے میں المیہ تمثیل کو مغرب میں مذہبی سطح پر تقویت نہ مل سکی اور نہ یہ وہاں کسی روحانی واردات کا ذریعہ بن پائی۔اس کے برعکس فارسی اور اردو شاعری میں رومی، سعدی،حافظ ،میر ،غالب ،اور اقبال جیسے بڑے اور قد آور شعرا اور

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ان کے زیرِاثر کم و بیش تمام قابل ذکر شاعروں نے زندگی کے المیہ تجربات کو ایک روحانی اور اخلاقی مفہوم عطا کرنے میں غیر معمولی بصیرت کا ثبوت دیا، اردو کی اکثر معروف شعری اصناف میں یہ المیہ کیفیتیں موجود ہیں۔ان میں سے چند اہم اصناف کا الگ الگ مطالعہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اردو شاعری میں المیہ تصورات کی کارفرمائی کو سمجھا جا سکے۔

قصیدہ

قصیدہ بہ طور ایک صنفِ سخن کے عربی شعری روایت میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔غزل کا آغاز بھی عربی قصیدہ کا مرہون منت ہے۔ابتدا میں عرب شعرا اپنے قصیدے کے آغاز میں محبوب و ممدوح کے مختلف رویوں اور ہجر کے حالات و واقعات کے بارے میں لکھتے تھے اور اس کو تشبیب کا نام دیا جاتا تھا۔قصیدے کا یہی حصہ بعد میں ایک الگ صنف کے طور پر غزل کہلایا۔قصیدے میں یہ حصہ حزن و ملال اور درد والم کے بیان پر مشتمل تھا۔کسی قصیدے کی تشبیب میں چونکہ محبوب اور معاملاتِ محبت کا ذکر بڑے شوق سے کیا جاتا ہے اور معاملات عشق میں ہجر کے لمحات تکلیف دہ ہونے کی صورت میں فضا کو سوگوار کرتے ہیں۔چنانچہ یہ ابتدائی حصہ قصائد کو حزن و ملال کا بہترین نمونہ بنانے کا سبب بنا۔

قبل از اسلام عرب شاعری میں امراالقیس کے قصائد کو بڑی عزت اور مرتبہ حاصل ہے۔ان کا قابل ذکر قصیدہ لامیہ کسی تعریف کا محتاج نہیں۔ڈاکٹر اسلم انصاری نے اردو شاعری میں المیہ تصورات کے عنوان سے وقیع تحقیقی کام کیا ہے جس میں قصیدے میں المیہ عناصر اور اردو غزل پر ان کے اثرات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔قبل از اسلام عرب شاعر امراالقیس کے معروف قصیدہ لامیہ کے مطلع '' قفا نبک من ذکری حبیب و منزل '' کے اردو ترجمہ "ذرا ٹھہرو کہ ہم رو لیں" سے قصیدے کی تشبیب میں المیہ عناصر کا سراغ لگایا ہے اور قصیدہ نگاری کی روایت میں اس کے رسوخ اور اثرات کا جائزہ لیا ہے وہ لکھتے ہیں،

> گویا عربی شاعری کی منضبط تاریخ کا آغاز ہی ان دو حزنیہ الفاظ (قفا نبک یعنی ذرا ٹھہرو کہ ہم رو لیں) سے ہوتا ہے۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو غزل (تشبیب یا نسیب) اور بیان غم میں ایک ناگزیر رشتہ ابھرتا ہے۔امراالقیس کے اس لامیہ کی تشبیب اتنی موثر اور دردانگیز ہے کہ اس نے عرب کے تمام شاعروں کے لیے ایک ادبی رسم (Literary Convention) کی صورت اختیار کر لی اور قصیدے کے آغاز میں محبوبہ اور اس کے چھوڑے ہوئے کھنڈرات رکنا اور کھڑے ہو کر آنسو بہانا گویا عرب کے ہر قصیدہ گو شاعر کے لیے ضروری ہو گیا۔(۷)

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قفا نبک ان الفاظ سے حزن و کرب شدت سے ابھرتے اور اندرونی حالات و واقعات کا نقشہ کھینچتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ عربی قصیدے کی روایت میں امرا القیس کا قصیدہ نقش اول قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کے عرب شعرا نے بھی اسی طرز پر قصیدے لکھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قصیدے کے ابتدائی حصے میں عشق اور ہجر و وصال کے مضامین کا شامل کیا جانا ایک ایسی مضبوط روایت بن گیا کہ اس کے بغیر کسی قصیدے کا وجود ناممکن سمجھا جانے لگا۔ تشبیب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں امام محمد سعید بوصیری نے رسول اکرم کی محبت اور عقیدت میں قصیدہ لکھا تو وہ اس میں بھی تشبیب کے لوازمات کو نظر انداز نہ کر سکے۔ وہ اس میں بھی حزن والم کی پر اثر داستان بیان کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ایحسب الصب ان الحب منکتم

ما بین منسجم منہ و مضطرم

لولا الھوی لم ترق د معا علی طلل

ولا ا زقست لذکر البان و العلم

(کیا عشق گمان کرتا ہے کہ راز محبت چھپ جائے گا۔ جبکہ وہ بہتے آنسوؤں اور دل بے قرار کے درمیان ہے۔ اگر تجھے عشق و محبت نہ ہوتی تو کھنڈرات پر آنسو نہ بہاتا اور نہ ہی درخت اور جبل حرا کی یاد میں جاگتا۔)(۸)

عربی قصیدے میں تشبیب کے جائزہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس جزو نے قصیدے سے الگ ہو کر فارسی اور اردو زبانوں میں غزل کا روپ اختیار کیا۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں، "قصیدے کی ابتدا میں عشقیہ اشعار کہنے کا دستور تھا۔ اس حصے کو الگ کر دیا تو غزل بن گئی۔ گویا قصیدے کے درخت سے ایک قلم لے کر الگ لگا لی۔" (۹)

قصیدے میں بہت سے شعرا نے ممدوحین کی مدح کے ساتھ ساتھ شجاعت، عدل و انصاف، عفو، سخاوت، عجز، وفا، عہد، دانش پروری اور نیکوکاری جیسی اخلاقی تعلیم بھی دی ہے۔ فارسی کے بزرگ شاعر سعدی اس معاملے میں تمام شعرا پر فوقیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے بعض پورے قصیدے پند و نصیحت پر لکھے ہیں۔ رودکی اور مسعود سعد سلمان کے قصائد بھی

Vol.4No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

اس روایت کو لے کر آگے بڑھے ہیں۔ صوفی شعرا کا خاص میدان مثنوی اور غزل رہا ہے، لیکن قصیدہ نگاری میں بھی وہ پیش پیش دکھائی دیتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ ان کی تمام شاعری تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ قصیدوں کو صوفیانہ مضامین سے مالا مال کرنے کا سہرا انہی کے سر جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے قصائد کا موضوع دینی مسائل، ایمان و ریاضت کی دعوت، تذکیہ ء باطن اور دنیا کی تحقیر ہے۔ فارسی میں ایسے قصائد بھی بڑی تعداد میں ہیں جو دینی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں کی شان میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ تعداد ان قصائد کی ہے جو پیغمبر اسلام کی شان میں لکھے گئے ہیں۔ یہ قصائد نعتیہ قصائد کہلاتے ہیں۔

> ایران میں شاعری کا آغاز فطری جوش سے نہیں بلکہ کسب معاش کی غرض سے ہوا تھا۔ جب ایران میں خود مختیار سلطنتیں قائم ہوئیں۔ تو شعرا نے سلاطین کی مداحی کے لیے شاعری شروع کی اور چونکہ وہ عرب کی تقلید کرتے تھے اس لیے قصائد میں بھی ابتدا میں عشقیہ اشعار کہتے تھے جن کو عربی میں تشبیب یا نصیب کہتے ہیں اور اس کا دوسرا نام غزل ہے۔ (۱۰)

مرثیہ

مرثیہ میں شدت کے ساتھ غم والم، حزن و کرب کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ویسے بھی مرثیہ کے لغوی معنی مردے کو رونے اور اس کی صفات بیان کرنے کے ہیں۔ قدیم عربی ادبیات میں قصیدے کی مضبوط روایت موجود ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو عربی میں مرثیے کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ مرثیہ میں موجود حزن کی فضا اردو ادب کی تمام اصناف پر بھاری دکھائی دیتی ہے۔ واقعہ کربلا پر لکھے گئے مرثیے دل سوز اسلوب رکھتے ہیں۔ میر انیس کے مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

گھبرا کے اس نے جانب مقتل جو کی نظر   دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر

لڑکی جو ساتھ تھی پکاری یہ پیٹ کر   میں لٹ گئی پھوپھی میرے بابا کا ہے یہ سر

زلفیں لہو بھری ہوئیں رخ پر لٹکتی ہیں

ہائے رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں (۱۱)

علم بشریات اور تہذیبوں کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اعلیٰ انسان کی طرح اعلیٰ ترین تہذیب بھی اپنے اندر ایک ہی وقت میں جذبہ کرب اور جذبہ غم سموئے ہوئے ہوتی ہے۔ انگلستان اور لکھنؤ کی تہذیبوں کے تقابلی

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اعلی ترین المیہ اور طربیہ احساسات کسی بھی تہذیب کی تشکیل کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً لکھنوی تہذیب و معاشرت میں احساس الم کی نمائندہ صنف سخن مرثیہ کو قرار دیا سکتا ہے۔"کسی عزیز یا دوست کی موت پر انسان کو احساس رنج و غم کا ہونا انسانی فطرت میں شامل ہے اور رنج و غم کے احساس کی شدت ہی اشک و آہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو مرثیہ عین فطرت انسانی ہوا۔اس لیے انسانی آنسو کی اس منظوم شکل کا نام مرثیہ ہوگا۔"(۱۲)

عربی، فارسی اور اردو شعری روایت میں کثیر تعداد میں ایسے مرثیے موجود ہیں جنھیں شخصی مرثیے کہا جا سکتا ہے۔ یہ شخصی مرثیے بزرگانِ دین، اولیا، رہبرانِ قوم و ملت اور عزیز و اقارب پر لکھے گئے ہیں۔ مرزا غالب کے قلم سے ایک شاہکار مرثیہ زین العابدین خان عارف کا قلم بند ہوا۔ اس کا انتقال عین جوانی میں ہوا۔ جس کی موت کا غالب کو ایک عرصے تک شدید رنج و ملال رہا۔ حالی نے غالب کا جو مرثیہ لکھا، وہ سچے جذبات اور عقیدت و محبت کا بے ساختہ اظہار ہے۔ یہ مرثیہ نا صرف اردو کے شخصی مرثیوں میں ممتاز حیثیت کا حامل ہے بلکہ اس سے اردو میں شخصی مرثیوں کو نیا زاویہ ملا۔ علامہ اقبال نے بھی کچھ شخصی مرثیے لکھے ہیں جو اپنی مثال پ ہیں۔اقبال نے 'مرزا غالب، داغ دہلوی، سر راس مسعود، فاطمہ بنت عبداللہ کے علاوہ "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کے عنوان سے چھیاسی اشعار پر مشتمل اپنی والدہ محترمہ کا مرثیہ لکھا ہے جو فکر، تخیل اور جذباتیت کی اعلیٰ مثال ہے۔اس کے علاوہ بھی اردو میں متعدد شخصی مرثیے لکھے گئے ہیں جو مرنے والوں سے اپنے عقیدت کا المیہ اظہار ہیں۔

شہر آشوب

شہر آشوب، شاعری کی وہ صنف ہے، جس میں زمانے کی افراتفری، ملک و معاشرے کی تباہی و بدحالی اور اہل وطن کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچا جاتا ہے۔ شہر آشوب میں سیاست، معاشرت، اور معیشت کے حالات پیش کیے جاتے ہیں، مصیبت زدہ انسانوں کے اجتماعی دکھ، درد کا بیان کیا گیا ہے س صنف نظم میں زندگی کے ناآسودہ ارمانوں، امن و سکون کی خواہش، وسائل حیات سے محرومی اور سماجی ادبار کا احوال شدت تاثر اور خلوص جذبات کے ساتھ نظم کیا جاتا ہے، پھر شہروں کے اجڑنے اور جنگ و جدل کی نوحہ گری اس صنف کو خالص المیہ صنف بناتی ہے۔ دنیا بھر کی ادبی روایت میں یہ صنف کسی نہ کسی طور پر ان موضوعات میں موجود ہے، سقوط بغداد پر شیخ سعدی نے نوحہ لکھا، سقوط غرناطہ پر ابن بدروں نے اندلس کا نوحہ لکھا، اور دلی کی تباہی پر داغ دہلوی کا شہر آشوب معروف ہے ۱۸۵۷ء کے غدر پر بیسیوں شعرا نے شہر آشوب لکھے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ شاید ہی کوئی ایسا شاعر بچا ہو جس نے ۱۸۵۷ء کے غدر پر شہر آشوب نہ لکھا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہو، دلی کی تباہی اور اس میں تہذیبی، ثقافتی، اور سیاسی و سماجی زوال کی ایسی تصویریں کھینچی جاتی ہیں جس سے زوال کی مختلف حالتیں سامنے آتی ہیں۔

> یہ غم نامے دہلی کی تہذیب و معاشرت کے مرثیے ہیں۔ اگرچہ ان پر نوحہ کا رنگ غالب ہے۔ مگر ہر شاعر کا انفرادی تاثر جدا ہے۔ کوئی بادشاہت کے خاتمے پر رو رہا ہے، کسی کو احباب کے بچھڑنے کا غم ہے، کسی کو دہلی کی علمی شخصیات اور مجالس کے خاتمے کا رنج ہے، کسی کو اپنی بیوی بچوں کی ہلاکت کا غم ہے۔(۱۳)

شہر آشوب ہر عہد میں کسی نا کسی صورت میں موجود رہا ہے۔ شعرا چونکہ حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ خراب معاشرتی حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور انہوں نے اپنے عہد و معاشرت کے نوحے لکھے ہیں۔ کچھ قابل ذکر شعرا میں شاکر ناجی، شاہ حاتم، میر حسن، ناسخ، سودا، میر تقی میر، قائم چاند پوری، نظیر اکبر آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ اقبال کی ایک نظم "صقلیہ" میں عربوں ڈیڑھ سو سال قیام اور اس کے بعد وہاں سے دیس نکالا ملنے پر اسے تہذیب حجازی کا مزار کہا، اس کے علاوہ حالی نے بھی مسلمانوں کی پستی کو بڑے خلوص اور خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

کریں نوکری بھی تو بے عزتی کی — جو روٹی کمائیں تو بے حرمتی کی
کہیں پائیں خدمت تو بے عزتی کی — قسم کھایئے ان کی خوش قسمتی کی

امیروں کے بنتے ہیں یہ مصاحب
تو جاتے ہیں ہو کر حمیت سے تائب(۱۴)

مثنوی

اردو شعری روایت میں مثنوی کی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ اردو میں یہ صنف فارسی کے اثر سے ہی وجود میں آئی۔ کئی ناقدین کے مطابق فارسی اور اردو شاعری میں صرف یہی ایک موزوں ترین صنفِ سخن ہے جس میں واقعہ نگاری، جذبات نگاری، اور ایک مسلسل مضمون کے امکانات دوسری اصناف یا ہئیتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

دکن کے مثنوی نگاروں کے ہاں المیے کے اچھے نمونے ملتے ہیں مگر مثنوی کی صنف یا ہیئت کو المیہ واقعات و جذبات کے بیان کے لیے سب سے پہلے میر تقی میر نے استعمال کیا۔ان کی عشقیہ مثنویاں المیہ موضوعات کی آئینہ دار ہیں۔ اس لحاظ سے میر کو اردو مثنوی نگاروں میں پہلا کامیاب المیہ نگار قرار دیا جا سکتا ہے۔ میر اثر کی مثنوی میں بھی غم و الم کا اظہار نظر آتا ہے "خواب و خیال" میں ہجر کی کیفیات کی عکاسی بہترین انداز میں کی ہے:

اب نہ دن ہی کٹے نہ رات کٹے　　　کس طرح عرصہ حیات کٹے

رات کاٹے کوئی کہ دن کاٹے　　　بات بنتی نہیں ہے بن کاٹے

ہے شب ماہِ دل پہ یوں پیارے　　　جیسے گھوڑے چاندنی مارے

گر گزر سوئے باغ ہوتا ہے　　　سینہ جل جل کے داغ ہوتا ہے

پھول لگتے ہیں جیسے انگارے　　　گر ز آتش نہاں میں سارے

ہر طرف آبشارِ رو دہے ہے　　　سر پٹخ ڈھاڑیں مار رو رہے ہے(۱۵)

مثنوی میں پیش کردہ مضامین میں فکر و خیال کی وسعت ہوتی ہے۔بظاہر ایک رومانوی قصے میں تہذیب و ثقافت سمیت معاشرے کے متعدد پہلوؤں کا بیان ملتا ہے۔اس بارے میں شبلی لکھتے ہیں:"مثنوی میں اکثر کوئی تاریخی واقعہ یا کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے اس بنا پر زندگی اور معاشرت کے جس قدر پہلو ہیں سب اس میں آجاتے ہیں۔ عشق و محبت، رنج و مسرت، غیض و غضب، کینہ وانتقام، غرض، جس قدر انسانی جذبات ہیں۔سب کو دکھانے کا موقع مل جاتا ہے۔"(۱۶)

دراصل مثنوی وہ صنف سخن ہے جس میں واقعات کے المیہ رخ اختیار کرنے کی صورت میں حقیقت پسندانہ انداز میں الم نگاری کی جا سکتی ہے۔ مثنوی نگار کا کینوس وسیع ہوتا ہے۔وہ چاہے تو المیہ یا طربیہ کسی نوع کے جذبات کو بھرپور انداز میں پیش کر سکتا ہے۔ مثنوی، خارجی واقعات کے علاوہ دلی جذبات و احساسات کے بیان کے لیے بھی موزوں ترین ہے۔ حالی مثنوی کی اس خصوصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:"مثنوی اصناف سخن میں سب سے زیادہ مفید اور کارآمد صنف ہے۔ جتنی صنفیں فارسی اور اردو شاعری میں شامل ہیں ان میں کوئی صنف مسلسل مضامین بیان کرنے کے قابل مثنوی سے بہتر نہیں۔ یہی وہ صنف ہے جس کی وجہ سے فارسی شعرا کو عربی شاعری پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔"(۱۷) سحر البیان کے حوالے سے آزاد نے میر حسن کو خراجِ

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تحسین پیش کیا ہے۔ یہ ایک عشقیہ مثنوی ہے۔ جس میں حسن و عشق اور ہجر و فراق کے مراحل ہیں۔ اس لیے اس کا حزنیہ عنصر بنیادی طور پر ہجر و فراق سے منسوب ہے۔ اردو مثنوی نگاروں نے رنج و غم کو ایک ناگزیر عنصر کے طور پر دیکھا ہے۔ اور یہ عنصر مثنوی میں پیش کردہ کہانی کے تانے بانے کا اہم حصہ ہوتا ہے۔

گیت

گیت بھی اردو شعری روایت کے تناظر میں اپنے اندر بے پناہ درد و الم سمیٹے ہوئے ہے۔ گیتوں نے دراصل ہندوستان کی زمین سے ہی نمو پائی ہے۔ یعنی یہ صنف ادب ہندوستانی دھرتی سے وابستہ ہے، چنانچہ یہ صنف متنوع رنگوں سے مزین ہے۔ اس سلسلے میں امیر خسرو کی شاعری کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی لے گیت کے قریب تر ہے اور تاثیر کے اعتبار سے دل پذیر ہے۔

گیت کے بنیادی موضوعات میں ہجر و وصال کے قصے، تنہائی کی راتیں اور محبوب کی یادیں وغیرہ ہیں۔ گیت کی ایک بڑی خوبی جو اسے دیگر اصناف سے ممتاز کرتی ہے؛ وہ یہ ہے کہ اس میں اظہارِ عشق عورت کی طرف سے ہوتا ہے۔ گویا اس میں عورت معشوق کی بجائے عاشق کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ ایسا کسی اور صنف شعر میں نہیں ہوتا۔ شاید گیت کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے، کہ اس میں عورت کی طرف سے جذبات زیادہ شدت سے اظہار پاتے ہیں۔ اسی طرح اس صنف میں عورت ہجر و فراق میں تڑپتی اور مچلتی دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنے محبوب کو یاد کر کر کے آہیں بھرتی ہے اور اس کے تصور میں کھوئی رہتی ہے۔ ان گیتوں میں رات کی اذیت انگیز تنہائی کا اظہار بھی بڑی دردمندی سے کیا جاتا ہے۔"گیت شاعری کی وہ صنف ہے جس میں نغمہ وصوت کے آمیزے سے نسوانیت کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔ عورت کی وہ دل آویز اور مکمل شخصیت جو کسی اور صنف کے قالب میں نہیں سما سکتی۔ گیت کے رنگ و آہنگ میں بہ کمال و خوبی رچ بس جاتی ہے۔"(۱۸)

اردو گیتوں کے موضوعات محدود نہیں ہیں۔ یہ فقط عشق کے جذبات کی ترجمانی نہیں کرتے بلکہ ان میں قومی و ملی، مذہب، تصوف کی تبلیغ، مختلف تقریبات اور موسموں کی کیفیات کا بیان بھی خوبصورت انداز میں اظہار پاتا ہے۔ گیت کا موضوع کوئی بھی ہو، اپنے خاص رنگ سے وہ اپنے سننے والوں کو متاثر کیے بنا نہیں رہتے۔ گیت اپنی تاثیر کے اعتبار سے ایک سرور آمیز درد سے لبریز ہوتا ہے۔ مختلف گیت نگاروں کے فن کا تجزیہ کرتے ہوئے انور سدید لکھتے ہیں:

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

عظمت اللہ خان کے اجتہاد نے گیت کو نیا اسلوب اور نئی زبان دی۔ حافظ جالندھری نے گیت کے عشقیہ اظہار میں سرزمین وطن کے مصادر و مظاہر کو بھی شامل کیا۔ میرا جی نے گیت کا مزاج دھرتی کی داخلی خوشبو سے معطر کیا۔ قیوم نظر نے گیت کو نظم کے طور پر استعمال کیا۔ آرزو لکھنوی، اندرجیت شرما، سوامی مارہروی، ساگر نظامی، بہزاد لکھنوی، الطاف مشہدی، فرید آبادی، مقبول احمد پوری، عشرت رحمانی، مسعود حسین خان، سلام مچھلی شہری اور عبدالمجید بھٹی کے گیتوں میں ملن کا انبساط اور ہجر کی ٹیس ہندوستانی عورت کے دل کی کوک بن کر ابھری۔(۱۹)

گیت دراصل سننے کی چیز ہے۔ اس کا اصل مزا اور اثر بھی گائے ہوئے کو سننے یا گا کر سنانے میں ہے۔ گیتوں کی ترتیب میں ترنم اور لے پر بھرپور توجہ صرف کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ سامع کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔

اب جانا ہے، اب جانا، اب جانا زمانے کو

اب چھوڑ دیا میں نے چاہت کے ترانے کو

سپنوں کے سہارے پر چاہا کہ ملوں تجھ سے

سکھ سیج کے سینے میں یہ بھول ہوئی مجھ سے

سچائی سے مجھ بیٹھا جینے کے بہانے کو

جینا ہی میرا کیا ہے جینے کا بہانہ ہے

ہر سانس کے پہلو میں اشکوں کا خزانہ ہے

ہنستا ہوں تو ہنستا ہوں غیروں کو دکھانے کو۔(۲۰)

غزل

غزل میں بیان کردہ موضوعات میں بے پناہ وسعت ہے۔ غزل میں معاملات حسن و عشق سے لے کر غمِ روزگار اور معاشرتی مسائل سے لے کر انفرادی و ذاتی مسائل، فکر و فلسفہ سے لے کر تصوف اور وحدت الوجود سے لے کر، وحدت الشہود، پاکبازی و پارسائی سے لے کر، رندی و شاہد بازی تک کوئی موضوع ایسا نہیں جو اس میں نا آتا ہو۔ بڑے شاعروں کے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہاں عموماً درد و غم کے واقعات ایک روحانی واردات بن کر سامنے آتے ہیں۔ یہ نہ صرف زندگی کو بعض قابل قدر، عقلی مفاہیم عطا کرتے ہیں بلکہ اخلاقی اور تہذیبی اعتبار سے بھی نتیجہ خیز ثابت ہوتے ہیں، یوسف حسین خان لکھتے ہیں۔

> عاشقانہ شاعری کو آپ درد والم کے خیالات سے الگ نہیں رکھ سکتے۔۔ عشق بغیر غم کے عنصر کے تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا۔ بغیر ادراک غم خود انسانی شخصیت ادھوری رہتی ہے۔ غم کی دھیمی آنچ میں سلگنے سے شخصیت کے جوہر نکھرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانی زندگی میں غم کے عناصر ایسے پیوست ہیں کہ انہیں اس سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں۔ خوشی اور مستی کے گریز پا لمحوں کی یادیں جلد فراموش ہو جاتی ہیں لیکن غم کی یاد دل سے کبھی نہیں جاتی۔ اس کے نقوش ایسے گہرے ہوتے ہیں کہ زمانے کے ہاتھ سے بڑی مشکل سے بھرتے ہیں۔ غزل میں جذبہ غم وہی حیثیت رکھتا ہے جو مغربی ادب میں ٹریجڈی (المیہ) کو حاصل ہے۔ ہر زبان کے ادب میں المیہ کا مرتبہ آپ بلند پائیں گے۔ (۲۱)

اردو غزل پر فارسی غزل کے اثرات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سیاسی، سماجی اور معاشرتی عوامل کے علاوہ اردو شاعری کے مزاج کی تشکیل میں تصوف کی روایت نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ فارسی شعرا میں شیخ سعدی اور مولانا روم نے مثنوی کے علاوہ غزل کی ہیئت میں بھی اپنے روحانی اضطراب کا اظہار کیا اور بے شمار غزلیں لکھیں۔ ایسی صورت میں اردو شاعری اور اردو غزل کا تصوف کی روایت سے متاثر ہونا ناگزیر تھا۔

جنوبی ہند سے قطع نظر شمالی ہند میں اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز ولی دکنی کی آمد سے ہوتا ہے۔ اگرچہ شمالی ہند میں ولی کی آمد سے قبل اردو شاعری کی ابتدا ہو چکی تھی، لیکن وہاں شاعری کی کوئی مضبوط روایت قائم نہ تھی۔ ولی کی شاعری مجموعی طور پر جمالیاتی طرزِ احساس کی شاعری ہے۔ تاہم بیرونی حالات و واقعات کا ذکر اور زندگی کی ناپائیداری کا احساس ولی کی شاعری میں بھی موجود ہے، جسے ایک حزنیہ عنصر کہا جا سکتا ہے۔

زندگی جام عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر دوام نہیں

میر تقی میر کی ذاتی زندگی کا مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک زوال آشنا عہد میں المناک تجربات سے دوچار ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ میر کی تخلیقی شخصیت کو دردمندی کے علاوہ کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ دردمندی ایک

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مستقل ذہنی اور جذباتی حالت ہے۔اور یہی میر کے المیہ طرز احساس کا بنیادی سبب ہے۔یہ دردمندی انہیں دنیا کے رنج و الم کے ساتھ مربوط کرتی ہے اور دنیا کے ہر دکھ میں ان کے لیے ایک ذاتی معنویت پیدا کرتی ہے۔

آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی، پھوٹ بہے

دردمندی میں گئی ساری جوانی اس کی

میر کے بعد جس شاعر نے اردو غزل کو ثروت مند کیا ان میں غالب کا نام سب سے اہم ہے،غالب کے ہاں جہاں جدید خیالات ندرت کے ساتھ موجود ہیں وہیں زندگی میں غم والم کی موجودگی کا تجزیہ بھی ملتا ہے غالب کی غزل کے المیہ عناصر ان کی صحت مند تشکیک،اداسی اور بے چینی کے رہین منت ہیں۔آنسوں اور آہوں کی تمنا،درد و کرب کی خواہش، ہجر و فراق کی ستائش اور الم نوازی کے مرقع ان کے کلام میں جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ان کے پس پردہ غالب کے ذاتی سانحات و حادثات ہی نہیں بلکہ گردش روزگار کا سیاسی و سماجی کرب بھی پوشیدہ ہے۔ غالب زندگی کے تلخ تجربوں او ر مصائب سے اس قدر عاجز آگئے تھے کہ وہ موت کی آرزو کرنے لگے تھے۔عمر کے آخری دور میں موت کی خواہش شدت اختیار کر گئی۔"مرزایاتو اس وجہ سے کہ ان کی زندگی فی الواقع مصائب اور سختیوں میں گزری تھی اور یا اس لیے کہ ان پر نامصائب حالتوں کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا۔آخر عمر میں موت کی بہت زیادہ تمنا کیا کرتے تھے ہر سال اپنی وفات کی تاریخ نکالتے کہ اس سال ضرور مر جاوں گا۔"(۲۲)موت کی آغوش میں ابدی نیند سونے کی تمنا اور فن کی خواہش ان کے کلام میں موجود ہے ایسے بہت سے اشعار ہیں جن کو پڑھ کر آنکھوں میں نمی اور دل میں کسک سی محسوس ہوتی ہے۔غم ہستی کا علاج ہی غالب کے نزدیک موت ہے۔

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوتے تک

غالب کے بعد اردو غزل کا جو دور شروع ہوتا ہے۔اس میں اصغر ، عشرت،فانی اور جگر کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ بیسویں صدی کے یہ اکابر جدید اردو غزل کے چار ستون قرار پاتے ہیں۔چاروں کا اپنا اپنا آہنگ اور اپنی اپنی انفرادیت ہے۔ان میں صرف فانی ہی ایسی شخصیت ہیں جن کے ہاں اردو کی شاعری کی روایت میں المیہ احساس نئے انداز اور نئے پہلو لیے ہوئے ہے۔فانی کا کلام اور اس کا المیہ رنگ جدت وندرت اور تازگی کا خوبصورت امتزاج اور یہ چیز فانی کو ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔بعض ناقدین فانی کے کلام کو میر وغالب کا امتزاج کہتے ہیں"میر کا سوزوگداز اور غالب کا تفکر ان کے یہاں یکجا

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

نظر آتا ہے لیکن یہ یکجائی کسی تقلید اور نقالی کا نتیجہ نہیں ہے اس میں تو فانی کے اپنے مزاج اور افتاد طبع کو دخل ہے۔"(۲۳) غزل اپنی تعریف (آہ غزال) سے ہی المیہ کا تاثر دیتی ہے مزید یہ کہ اس کا تغزل اسے المیہ کے قریب لے جاتا ہے۔

نظم اپنے المناک موضوع کی بنیاد پر المیہ تصورات پیش کر سکتی ہے المیہ کے لیے کسی صنف کی قید نہیں تاہم زیر بحث آنے والی نظم کی اصناف اپنے موضوع اور ہیئت میں المیہ مؤثر اظہار ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ارسطو بوطیقا متر جم عزیز احمد، انجمن ترقی اردو، پاکستان۔۲۰۰۱ء ، ص ۴۸

۲۔ اقبال آفاقی، ڈاکٹر نظریات جمال وفن اکادمی، ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۸ء ، ص۶۳

۳۔ عبدالماجد دریا آبادی، فلسفہ جذبات، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۱۹۳۰ء، ص۱۷۷

٤۔ ایضاً ، ص ۱٤۷

۵۔ مجنوں گورکھپوری، پروفیسر احمد صدیق، شوپنہار،انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، بار دوم، ۱۹۸۵ء، ص۸۰

٦۔ ابو سلمان شاہ جہاں پوری، مولانا آزاد اور مولانا عبد الماجد کے معرکے، نقوش ادبی معرکے 2 ۔ ۱۹۸۱ء، ص٥٦٥۔٥٩٥

۷۔ اسلم انصاری،ڈاکٹر، اردو شاعری میں المیہ تصورات،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،لاہور،ص۳۲۔۳۳

۸۔ محمد رضا المصطفی ظریف قادری، مفتی، مترجم، قصیدہ بردہ، لاہور ،علامہ فضل حق پبلی کشنز، ۲۰۰۵ء، ص۱۰

۹۔ شبلی نعمانی، علامہ، شعرالعجم، جلد پنجم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۷۲، ص۳٤

۱۰۔ ایضاً ، ص ٦٦

۱۱۔ حسن اختر ملک ، تاریخ ادب اردو، ابلاغ،لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۳۰۲

۱۲۔ عظیم امروہی، مرثیہ نگارانِ امروہہ، مہران پروسیس، کراچی ،۱۹۸٤ء، ص ۲۱۔۲۲

۱۳۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز۔۱۹۷۸ء، ص٦۰

۱٤۔ الطاف حسین حالی،مسدس حالی ، تاج کمپنی لمیٹڈ،لاہور، ص ٤۷

۱۵۔ میر اثر، خواب و خیال، مرتبہ عبدالحق، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۵۰ء، ص٦۹

۱٦شبلی نعمانی، علامہ، شعر العجم ، ص۲۷۵

۱۷۔ الطا ف حسین حالی، مولانا، مقدمہ شعر وشاعری، مرتبہ وحید قریشی،مکتبہ جامعہ دہلی،۱۹۷۱ء ص ۲۷۵

۱۸۔ شمیم احمد ، اصناف سخن اور شعری ہئیتیں، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۸ء، ص۱۰۲

۱۹۔ انور سدید ، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ ، لاہور، عزیز بک ڈپو، ۱۹۹۸ء، ص٥۲۹۔٥۳۰

۲۰۔ میرا جی، میرا جی کے گیت، لاہور، مکتبہ اردو، س ن، ص۱۵

Vol.4No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۲۱۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، اردو غزل، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹٦٤ء، ص ۱۳٦۔۱۳۷
۲۲۔ الطاف حسین حالی، یاد گار غالب، ،مکتبہ جامعہ دہلی،۱۹۷۱ ء، ص۱۱۰
۲۳۔ ساحل احمد،(مرتب)،فانی بدایونی،اردو رائٹز گلڈ،الہ آباد ،اشاعت اول۱۹۸۳ء،ص ۲۵۵